© rasailojaraid.com

جناب ابوسلمان شاہجہانپوری

سیّد تُراب علی شاہ راشدی

جامع حیثیات شخصیت

سندھ[1] میں راشدی سلسلے کے مشائخ اپنی دینداری، پاکبازانہ زندگی، اپنے اخلاص وعمل اور زہد و ورع کے لیے ہی شہرت نہیں رکھتے بلکہ وہ عوام کی تعلیم و اصلاح، رسوم و بدعات کے انسداد، اسلامی تعلیمات و افکار کی تبلیغ و اشاعت، احیائے کتاب و سنت کے لئے مساعی اور اپنے علمی مزاج اور سیاسی خدمات کے لئے بھی مشہور ہیں۔ اس سلسلے کے بزرگوں میں سے دورِ آخر کے ایک بزرگ حضرت پیر سید تراب علی شاہ علیہ الرحمۃ تھے۔ وہ اپنے علم و فضل، سیرت و اخلاق اور نظر و بصیرت اور خدمات دینی و سیاسی میں اسلاف کا کامل نمونہ تھے۔ ان کا تعلق اگرچہ سندھ کے صوفیاء و مشائخ سے تھا لیکن اسلامی علوم و فنون میں بھی وہ ایک یگانہ حیثیت اور اپنے عہد کے سیاسی رہنماؤں میں بھی ایک امتیازی شان کے مالک تھے۔ سندھ کی تاریخ خواہ تصوف کی ہو، خواہ

---

[1] پیر سید تراب علی شاہ کے افکار اور سیرت و خدمات میں سید علی محمد راشدی کا ایک نہایت مفصل مضمون سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد کے سہ ماہی علمی مجلہ مہران شمارہ ۴ سنہ ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا تھا۔ زیرِ نظر مضمون کی تالیف میں اس سے خاص طور پر استفادہ کیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تہذیب اور علوم اسلامی کی تعلیم و اشاعت کی ہو، خواہ سیاسی تاریخ ہو، ان کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ حضرت سید تراب علی شاہ مرحوم و مغفور جنھیں لوگ محبت سے "شاہ سائیں" کہتے تھے، سندھ کے ان اعاظم رجال اور نفوس قدسیہ میں سے تھے جن کی سیرت کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ سندھ محض ایک خطۂ زمین اور اینٹ اور گارے سے تعمیر شدہ شہروں کا نام نہیں، سندھ نام ہے ایک تہذیب کا، سندھ نام ہے سچائی اور حق پرستی کی ایک روایت کا، سندھ نام ہے وضع داری، وسیع النظری اور فراخ دلی کا، سندھ نام ہے شرافت اور نیک نفسی کا، سندھ انسانی سیرت کے اس حسن و جمال کا نام ہے جس کا خمیر شرم و حیا، غیرت و خودداری اور عزتِ نفس و قوم سے تیار ہوا ہے۔

مرکزِ علم و ہدایت

میں نے ان کی دولت کے قصے زبان زدِ خاص و عام نہیں پائے، میں نے ان کے سیاسی اقتدار کا کوئی دلربا افسانہ نہیں پڑھا، میرے علم میں ان کی حکام رسی کا بھی کوئی ایسا واقعہ نہیں جسے ان کی کرامت قرار دوں، مجھے ان کی ریاستِ دنیوی کی حدود کا علم بھی نہیں۔ لیکن ان کے پاس اخلاص و سیرت کا ایک ایسا خزانہ تھا جس کا ایک شمہ شہنشاہ وقت نہ پاکر محتاج ہوتا ہے۔ انھیں علوم و معارف اسلامیہ میں نظر و بصیرت کی شہنشاہی حاصل تھی جسے نہ پاکر کوئی صاحب ثروت بھی اپنی تہی دستی کا داغ پیشانی سے نہیں مٹا سکتا وہ ایمان و ایقان کا ایک چشمۂ شیریں تھے جس پر تشنہ کامان ایمان و عرفان کا ہجوم تھا، وہ عمل صالح کی ایک شمع فروزاں تھے اور طالبان حق و صداقت ان پر پروانوں کی مانند قربان ہو رہے تھے۔ ان کی عظمت کی اندازہ شناسی کے لئے اس بنیاد کی تلاش بے سود اور محض بیکار ہوگی جس پر دنیا کی عام عظمتوں کو جانچا اور پرکھا جاتا ہے۔ ہمیں ان کی عظمت کا اندازہ کرنے کے لئے نئے پیمانہ ہائے فکر و نظر کی تلاش کرنی چاہئے، بلکہ عظمتوں کی اندازہ شناسی کے لئے "حضرت شاہ سائیں" کی عظمت سے نئے پیمانے اور اُصول و معیار وضع کرنے چاہئیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وضع داری کا مجسمہ

دنیا نے بڑے لوگوں کے حلقۂ احباب اور وابستگانِ دامن میں بلند کلاہ لوگوں ہی کو تلاش کیا ہے، خود بڑے لوگوں نے بھی اپنے گرد اصحاب طرہ و دستار کے مجمع ہی کو پسند کیا ہے، بلاشبہ حضرت شاہ سائیں کے ارد گرد اصحابِ علم و فضل کی کمی نہ تھی، ان کے وابستگان دامن میں اہلِ ثروت بھی تھے لیکن انھوں نے کبھی اونچے طرّے اور سیم و زر سے بھرے دامن کی طرف ایک نگاہ غلط انداز بھی نہ ڈالی۔ انھیں جس چیز کی تلاش رہتی تھی اور آنکھیں جس چیز کو دیکھنے سے ٹھنڈک پاتی تھیں وہ علم و نظر کی دولت اور اخلاص و محبت کی پونجی تھی، اور یہ لازوال شے انھیں پٹھان نانبائی میں ملتی یا بوڑھے تانگے والے میں، وہ اس کے قدر شناس بھی تھے اور قدرداں بھی۔

مربّی و معلّمِ سیاست

انگریزوں سے اور ان کے بہی خواہوں اور کارندوں سے انھیں شدید نفرت تھی اور وہ نہ صرف ان سے ملنا پسند نہ کرتے تھے بلکہ انھیں دیکھنا بھی گوارا نہ تھا۔ ان کا کسی انگریز سے ملنے کے لئے جانے کا تو سوال ہی خارج از بحث تھا، وہ اس کے بھی روادار نہ تھے کہ کوئی انگریز ان سے ملنے کے لئے ان کے یہاں آئے۔ کہیں آتے جاتے بھی کسی انگریز پر نظر پڑ جاتی تو منہ دوسری طرف پھیر لیتے۔ انگریزوں کے خلاف لوگوں کا مزاج بنانے، لوگوں میں نفرت پیدا کرنے کے لئے اور آزادی وطن کی جدوجہد میں حصّہ لینے کے لئے لوگوں میں ایک جذبہ بے پناہ پیدا کر دینے میں انھیں کمال حاصل تھا۔ وہ اپنے منتسبین کی سیاسی تعلیم و تربیت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہتے تھے۔ سید علی محمد راشدی صاحب نے ان کی وضع داری کے سلسلے میں ایک تانگے والے سے ان کے تعلقات کا قصہ بیان کیا ہے۔ یہ قصّہ دلچسپ اور سبق آموز بھی ہے لیکن میں اس واقعہ سے جس چیز کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں وہ شاہ سائیں کی سیرت، فکر اور طریق تعلیم ہے،

راشدی صاحب لکھتے ہیں:

"لاڑکانہ میں ایک بوڑھا، چمڑھا تانگے والا تھا، تانگہ ایسا سڑیل کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیٹھتے ہوئے شرم محسوس ہو، گھوڑا ایسا مریل کہ دیکھیں تو رحم آئے، جب تھک جاتا تو بیچ سڑک پر حوائج ضروری پوری کرنے کے بہانے سے کھڑا ہو جاتا۔ چابک کا جواب لاتوں سے دیتا، لگام پکڑ کر دو قدم آگے کھینچو تو چار قدم پیچھے ہٹ جاتا۔ کچھ اس کی صحت کا تقاضا تھا، کچھ مزاجاً ضدی واقع ہوا تھا، اس پر اس کے موڈ کا معاملہ، موڈ نہ ہوتا تو چلنے سے صاف انکار کر دیتا نتیجتہً ہمیشہ سواری ہی کو اس کی مرضی کا لحاظ کرنا پڑتا تھا لیکن شاہ سائیں کی دوستی اس ٹانگے والے سے بہت پرانی تھی، انھیں یہ گوارا نہ تھا کہ اس سے تعلقات اور وضع داری میں فرق آئے۔ چنانچہ جب بھی وہ لاڑکانہ آتے تو اسی سڑیل تانگے میں ہر کہیں آتے جاتے۔"

راشدی صاحب لکھتے ہیں۔

"ایک دن میں اور شاہ سائیں اسی تانگے میں سوار تھے۔ گھوڑا چلتے چلتے اپنی روایت اور عادت کے مطابق آدھے راستے میں کھڑا ہو گیا۔ شاہ سائیں نے حکم دیا کہ تانگے سے اتر جاؤ جب تک کہ گھوڑا بخوشی چلنے پر آمادہ نہ ہو۔"

راشدی صاحب بیان کرتے ہیں :

حکم کی تعمیل تو ہو گئی لیکن میری زبان سے گھوڑے کی شان میں چند نامناسب لفظ نکل گئے جو اگرچہ انھوں نے پسند نہیں کئے لیکن وہ مسکراتے رہے۔ جس دن کا یہ واقعہ ہے، وہ کلکٹر سے وڈیروں کی ملاقات کا دن تھا اور وڈیرے نہایت کروفر اور تمکنت سے نہایت شاندار اور عمدہ گھوڑوں کے تانگوں میں کلکٹری کی طرف جا رہے تھے، کوئی نظر حقارت اس تانگے اور گھوڑے کی طرف بھی ڈال لیتا تھا، تانگہ شکستگی میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا اور گھوڑا مریل پن میں اپنی مثال آپ تھا۔ شاہ سائیں نے جھوٹے وقار کے ان پرستاروں کو عزت وجاہ کی اس تگ و دو میں ایک دوسرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے آگے نکل جانے کی کوشش کرتے ہوئے دیکھ کر کہا: "کیا سمجھتے ہیں آپ مسٹر راشدی! ان وڈیروں سے تو ہمارا یہ گھوڑا زیادہ باحمیت اور خوددار ہے۔ اپنی مرضی کے خلاف قدم نہیں اُٹھاتا۔ کسی کی مجال نہیں جو اسے اس کی مرضی کے خلاف چلنے پر مجبور کرے۔ یہ کسی کی زبردستی اور اثر و اقتدار کی پرواہ نہیں کرتا۔ لیکن اگر ان عزت خواہ اور جاہ پرست وڈیروں کو کلکٹر کی طرف سے حکم ملے کہ تانگوں میں گھوڑوں کی جگہ جُت کر سرکاری سواری کھینچو تو ان میں سے ایک نہیں جو اس گھوڑے کی طرح بیچ راستے میں چلنے سے رک جائے، تانگے کو کھینچنے سے انکار کردے اور سرکار سوار کے ایک لات رسید کرے۔"

شاہ سائیں نے پھر راشدی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"راشدی صاحب! آپ اس گھوڑے کا مذاق اڑا رہے ہیں، خدارا ذرا انصاف سے کام لیں اور بتائیں کہ کون آزاد ہے، کس نے آزادی کی حقیقت کو پہچانا ہے، اور کون زیادہ عزت کا مستحق ہے" یہ گھوڑا یا وہ اشرف المخلوقات۔"

انگریز دشمنی

انگریز دشمنی سے نفرت حضرت شاہ سائیں کے رگ و پے میں سمائی ہوئی تھی۔ اس کے نتیجے میں انھوں نے بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ پابندیاں گوارا کیں، لیکن ان پابندیوں کے اٹھا لینے کے لئے نہ کبھی کسی سے کوئی درخواست کی، نہ چند لمحوں کے لئے کسی بڑے یا چھوٹے افسر سے ملنا گوارا کیا۔

سید علی محمد راشدی صاحب نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ شاہ سائیں کے بلوچستان میں داخلے پر پابندی تھی اور وہ بلوچستان جانا چاہتے تھے۔ راشدی صاحب کے جد مرحوم پیر شاہ راشدی کو علم ہوا تو انھوں نے سندھ کے کمشنر سے ذکر کیا۔ اس نے کہا کہ یہ پابندی ابھی ختم ہو سکتی ہے بشرطیکہ آپ حضرت شاہ سائیں کو چند منٹ کے لئے یہاں لے آئیں، ہیں ان سے ملاقات کا متمنی ہوں۔ لیکن جب انھوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت شاہ سائیں سے کمشنر کی اس خواہش کا تذکرہ کیا تو حضرت نے فرمایا:

"میرے سرکار! اگر یہی کام ہم سے ہو سکتے تو یہ پابندی ہی کیوں ہوتی ہمیں ایسی آزادی اور ایسی سیر مطلوب نہیں جس کے لئے اپنی زندگی کا اصول توڑنا پڑے۔"

سید علی محمد راشدی صاحب کہتے ہیں کہ دادا مرحوم کو امید تھی کہ وہ شاہ سائیں کو اس کے لئے آمادہ کرلیں گے لیکن وہ ایسا نہیں کرسکے۔ انھوں نے واپس جاکر نرم اور مناسب الفاظ میں اس ملاقات کے امکان سے معذرت کردی۔ لیکن کمشنر جو شاہ سائیں کی سیرت سے واقف تھا۔ وہ اس جواب اور معذرت سے مطمئن نہیں ہوا۔ اس نے بہ اصرار دادا مرحوم کو شاہ سائیں کے اپنے الفاظ سنانے پر مجبور کیا۔ جب اس نے شاہ سائیں کے ادا کئے ہوئے الفاظ سُنے تو بہت خوش ہوا اور کہا:

"ایسے بااصول شخص کے لئے ہمارے دلوں میں عزت ہونی چاہئے۔ پیر تراب علی شاہ سے ہمارا سلام کہنا اور بتا دینا کہ ان پر سے پابندی اٹھالی گئی، وہ بلوچستان یا جہاں وہ جانا چاہیں جا سکتے ہیں۔"

سیاسی رہنما

برٹش حکومت سے موالات کے معاملے میں وہ بہت متشدد تھے۔ وہ اس حقیقت کے واقعی اندازہ شناس تھے کہ جب تک انگریز ہندوستان سے نہ نکلے گا۔ عالم اسلام کو برٹش استعمار کے عفریت سے نجات نہ ملے گی اور اسلام اور مسلمانوں کی سلامتی کو جو خطرہ درپیش ہے وہ کبھی دُور نہ ہوگا۔ اسی لئے انھوں نے ہر اس تحریک کا ساتھ دیا، اس کے کارکنوں کی ہمت بندھائی اور ان کے رہنماؤں سے تعاون کیا جن کی مساعی انگریزوں کے خلاف تھیں اور جو برٹش استعمار کے عفریت سے ملک کو نجات دلانا چاہتے تھے۔ جمعیت علمائے ہند، مجلس خلافت اور ترکِ موالات، سول نافرمانی، اور ہجرت کی تحریکوں میں انھوں نے بڑھ چڑھ کر نہ صرف حصہ لیا بلکہ سندھ میں ان کی رہنمائی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۲۲ء سے ۱۹۳۸ء تک سندھ میں آزادی کی جتنی تحریکیں بھی اٹھیں ان میں حضرت شاہ سائیں یا ان کے فیض یافتگان کا براہ راست حصہ رہا ہے۔ ان کے ساتھیوں میں وقت کے تمام انقلاب پسند اور حریت طلب عناصر موجود تھے، ۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود حسن دیوبندی کے حکم سے مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم نے کابل کا سفر اختیار کیا تو حضرت شاہ سائیں نہ صرف مولانا سندھیؒ کے ارادے سے باخبر تھے بلکہ وہ ان کے سفر کے منصوبہ بندوں میں سے تھے۔ حضرت شاہ سائیں کا وجود گرامی اسلامی اور آزادی کی تحریکات میں مرکزیت کا حامل تھا۔ سید علی محمد راشدی لکھتے ہیں:

"سندھ میں تحریکِ خلافت کو پھیلانے اور اسے مقبول بنانے میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ انھیں کے ساتھی، عزیز دوست، مرید اور معتقد تھے، جنھوں نے پہلی بار سندھ میں سندھ کے عام پیروں اور وڈیروں کی روایت کو توڑا۔ لاڑکانہ ضلع انھیں کی وجہ سے سندھ میں تحریک خلافت کا اہم مرکز بنا۔ انھیں کی کوششوں سے لاڑکانہ میں پہلی خلافت کانفرنس ہوئی اور ہجرت کی تاریخی تحریک میں سندھ میں سب سے زیادہ منظم کام ہوا اور مہاجرین کی پہلی اسپیشل ٹرین لاڑکانہ ہی سے روانہ ہوئی۔"

خلافت کانفرنس لاڑکانہ

سید علی محمد راشدی صاحب نے لاڑکانہ میں جس خلافت کانفرنس کا تذکرہ کیا ہے یہ وہی خلافت کانفرنس تھی جو مارچ ۱۹۲۰ء میں مولانا ابوالکلام آزاد کے زیرِ صدارت محترم جی۔ ایم سید صاحب کی خاص کوششوں سے منعقد ہوئی تھی۔ محترم سید صاحب اپنی زندگی اور افکار میں جن صوفیا اور علماء و مشائخ سے متاثر رہے ہیں اور جن کی سیرت اور تعلیمات نے ان کی زندگی میں گہرے نقوش ثبت کیے ہیں اور میدان سیاست میں ان کی رہنمائی کی ہے ان میں شاہ سائیں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صاحبِ قلم

مُریدین و معتقدین کی ذہنی و فکری تعلیم و تربیت اور عملی و سیاسی ہنگامہ خیزیوں کی وجہ سے شاہ سائیں کی تصنیفی و تالیفی صلاحیتوں کو زیادہ ابھرنے اور ایک مصنف اور انشا پرداز کی حیثیت سے علمی و ادبی دُنیا میں انھیں شہرت پانے کا موقعہ نہیں مل سکا لیکن محترم راشدی صاحب کے بقول وہ اعلیٰ پائے کے صاحبِ قلم بھی تھے۔ ان کی تحریر مولویانہ قسم کی اور روکھی پھیکی نہ ہوتی تھیں۔ عبارت سلیس، دلچسپ اور بڑی جاندار ہوتی تھی، وہ اپنے مضمون میں اپنی معلومات سے قاری کو مرعوب کرنے کی قطعی کوشش نہ کرتے، ان کی تحریر اختصار و اجمال کا نہایت عمدہ نمونہ ہوتی تھی۔ وہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معنیٰ سمو دینے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ وہ طوالت کو عام طور پر پسند نہ کرتے تھے البتہ اگر کبھی طبیعت میں جوش پیدا ہوجاتا تو ان کے الفاظ ذہن و دماغ پر بجلی بن کر گرتے تھے اور جملوں کی بندش، تشبیہوں اور استعاروں کے برجستہ اور اشعار کے برمحل استعمال نیز طرزِ بیان کی دل آویزی اور پرجوش انداز سے غنیم افکار پر اس زور اور شدت کے ساتھ حملہ کرتے تھے کہ عرصۂ افکار کو تہ و بالا کر ڈالتے تھے اور قلم کی معمولی جنبش سے مخالف کے بڑے سے بڑے فکری حملے کو بے اثر کر دیتے تھے۔

شائقِ مُطالعہ

شاہ سائیں مطالعے کے بہت شوقین تھے۔ ذاتی کتب خانہ نہایت بلند پایہ اور نادر و نایاب عربی، فارسی، سندھی اور اُردو کتابوں پر مشتمل تھا۔ سفر و حضر میں کوئی نہ کوئی کتاب ان کے پاس ضرور رہتی تھی۔ امام ابن تیمیہ امام ابن قیم اور علمائے متاخرین میں مولانا ابوالکلام آزاد سے وہ بہت متاثر تھے اور ان کی کوئی نہ کوئی کتاب ہمیشہ زیرِ مطالعہ رہتی تھی۔ سیّد علی محمد راشدی صاحب کو مولانا آزاد مرحوم کا "تذکرہ" عنایت فرماتے ہوئے ہدایت کی تھی: "اس کتاب کو باربار پڑھتے رہنا۔" رسائل و اخبارات میں الہلال اور البلاغ کی دعوت و فکر اور زبان و بیان کے بہت گرویدہ تھے۔ مدینہ بجنور کی حقیقت پسندانہ پالیسی اور اس کی بے لاگ تنقیدوں اور تجزیوں سے بہت متاثر تھے اور سیاسی کارکنوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعلیم و تربیت کے لئے ان کا مطالعہ بہت ضروری خیال کرتے تھے۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ

شاہ سائیں کو مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم سے بھی بڑی عقیدت تھی۔ ان کی انقلابی فکر، ان کے جذبۂ عمل، ان کی قربانیوں اور ان کی عزیمت و استقامت سے متاثر تھے اور ان کی جلاوطنی کے خاتمے اور انھیں واپس لانے کے لئے بہت بے چین تھے۔ ۱۹۳۸ء میں وفات سے چند ماہ پہلے سید علی محمد راشدی صاحب سے ان کی آخری ملاقات ہوئی تو یہی ہدایت کی کہ انھیں مولانا سندھی کی واپسی کے لئے کوشش کرنی چاہیئے۔ راشدی صاحب اس زمانے میں سیاست سے الگ ہوکر اپنے گاؤں میں خاموشی کی زندگی بسر کررہے تھے۔ شاہ سائیں ان کے گاؤں گئے اور جہاں انھیں اور نصیحتیں کیں وہاں انھیں سیاست میں دوبارہ حصہ لینے کی تلقین کی اور یہ بھی فرمایا:

"مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا ہمارے اوپر ایک فرض ہے، میں نے بہت کوشش کی کہ سندھ کی پہلی وزارت کے ذریعے یہ فرض ادا کروں۔ مگر میں اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ عبیداللہ سندھی غریب کو ہماری اسکیم کے مطابق ملک بدر ہونا پڑا لیکن ہم آج تک ان کے وطن واپس آنے کی بندش کو دور نہیں کراسکے۔ افسوس ہے کہ ہمارے اپنے آدمی ابھی تک اپنے ہی لوگوں سے انگریزوں کا حساب کتاب لے رہے ہیں مولانا سندھیؒ جلاوطنی میں دربدر مارے مارے پھر رہے ہیں اور ہم یہاں عیش کر رہے ہیں۔ مولانا سندھیؒ اب بوڑھے بھی ہوگئے ہیں، ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کے وطن واپس آنے کی پابندیوں کو دور کرائیں اور ان کی زندگی کے اس آخری دور میں انھیں واپس لائیں اور وطن سے دوری اور غربت کے احساس کو ان کے دل سے مٹادیں۔ میں ذاتی طور پر بھی اپنے آپ کو ان کا مقروض سمجھتا ہوں"

راشدی صاحب لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"شاہ سائیں میرے گاؤں سے روانہ ہوئے تو میں بھی کراچی چلا آیا۔ اتفاقاً چند دنوں میں سندھ کی یہ وزارت ختم ہوگئی اور خان بہادر اللہ بخش کی نئی وزارت نے مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی ضمانت دے کر بندش ہٹوا کے انھیں واپس لانے کا انتظام کر دیا۔ میں نے شاہ سائیں کی خدمت میں تار دیا کہ آپ کے حکم کی تعمیل ہوگئی۔ تار پہنچنے کے بعد چوتھے دن آپ نے رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون"۔

حریفاں بادہ ہا خوردند رفتند
تہی خم خانہا کردند رفتند

پیر اور سیاست

حضرت شاہ سائیں خود ایک بہت بڑے پیر تھے لیکن وہ پیروں کی رسمی و روایتی زندگی کے سخت مخالف تھے۔ وہ یہ بھی دیکھتے تھے کہ اس رسمی اور روایتی نظام سے ملت کی اصلاح و تربیت کا کام بھی نہیں لیا جاتا اس لحاظ سے یہ ایک بوسیدہ اور از کار رفتہ نظام ہے جس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ وہ یہ بھی دیکھتے تھے کہ اس نظام کو تحریک آزادی وطن کے خلاف استعمال کیا جا رہا ہے۔ ساتھ ہی انھیں اس بات کا بھی احساس تھا کہ سندھ کی سماجی زندگی میں پیری مُریدی کے نظام کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ان کا خیال تھا کہ ہمیں اس نظام کو مٹانے میں اپنی صلاحیتوں کو ختم کرنے اور اسے غیر مؤثر بنانے کی کوششوں کی بجائے اس کی اصلاح کرنی چاہئے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر پیروں کی اصلاح کر دی جائے تو وہ ملک کی آزادی اور مسلمانوں کی تعلیم و تربیتِ دینی و سیاسی میں ایک ——— نہایت مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں، ان کے نزدیک اگر پیر صاحبان حالات و وقت سے متأثر ہوئے بغیر سیاسی و دینی معاملات میں مسلمانوں کی رہنمائی کریں تو مسلمان ایک عظیم قوت کی حیثیت سے سیاسی زندگی میں ملک کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ انھیں یہ خطرہ بھی تھا کہ اگر پیرانِ طریقت اور مشائخ عظام کو اسی طرح انگریزی حکومت استعمال کرتی رہی جس طرح کہ "رانی پور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کانفرنس" میں ملک کی تحریک آزادی کے خلاف انھیں استعمال کیا گیا تھا تو وہ اپنی حیثیت اور وقار کو گنوا بیٹھیں گے اور پھر وہ اسلامی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دینے سے بھی قاصر رہیں گے اور آزادی وطن کی تحریک کے نقصان کے علاوہ سندھ کی سماجی زندگی میں ایک ایسا انتشار پیدا ہو جائے گا جس کے اثرات بہت دُور رس ہوں گے۔ شاہ سائیں چاہتے تھے کہ پیرانِ کرام اور مشائخ عظام اپنے مقام کو سمجھیں، اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں۔ اگر ان کے قدم کسی غلط راہ میں پڑے تو پھر قوم کا خدا ہی حافظ ہے۔ پھر ملت کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ اس کے لئے انھوں نے ایک تحریک شروع کی اور سب سے پہلے راشدی سلسلے کے مشائخ کی ایک جماعت "جمعیت الراشدیہ" قائم کی اور ایک ماہنامہ "الراشد" کے نام سے جاری کیا۔ سید علی محمد راشدی صاحب لکھتے ہیں:

"شاہ سائیں محسوس کرتے تھے کہ انگریز سندھ میں پیروں کے اثر و رسوخ کو آزادی وطن کی تحریک کے خلاف استعمال کریں گے۔ "رانی پور کانفرنس" نے شاہ سائیں کے خطرے کو صحیح ثابت کر دیا تھا۔ شاہ سائیں کا خیال تھا کہ ان سادہ لوحوں کو انگریز مداری بندر کی طرح نچائے گا۔ انھیں عوامی مصلحت اور مقاصد کے خلاف استعمال کرے گا پھر جب یہ رسوا اور بدنام ہو جائیں گے تو ہاتھ کھینچ لے گا۔

وہ محسوس کرتے تھے کہ دنیا تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ نئی نسل کے لوگوں میں روشنی آ رہی ہے۔ نئی نسل جب ان پیروں کو عوامی مفاد کے خلاف خدمتِ سرکار میں مصروف دیکھے گی تو وہ ان کے خلاف ہو جائے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پیری مریدی کا یہ سارا نظام ختم ہو جائے گا اور سندھ کی سماجی اور مذہبی زندگی میں ایک ایسا خلا پیدا ہو جائے گا جو کسی دوسری طرح پُر نہ کیا جا سکے گا۔

پیروں کی اصلاح کی کوشش

پیروں اور مشائخ کو اس معصیت سے بچانے کے لئے انھوں نے جمعیت الراشدیہ کے نام سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے سلسلے کے پیروں کی تنظیم کے لئے کوشش شروع کی۔ وہ چاہتے تھے کہ پیروں کو سرکار اور عام لیڈروں کے چکر سے نکال کر عوام کے قریب رکھا جائے اور آزادی کی جدوجہد اور عوامی زندگی میں ان سے کام لیا جائے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ پیر سرکاری دلال بن کر عوام سے دور، سیاسی بصیرت سے بے بہرہ، قومی خدمت سے معطل اور مریدوں کی صرف نذر کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھ لیں۔ اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے انھوں نے "الراشد" کے نام سے ایک ماہنامہ بھی جاری کیا۔ لیکن حالات ایسے تھے کہ مقاصد کی راہ روز بروز دور ہوتی گئی اور پیچیدگیاں بڑھتی گئیں۔ تحریک کی ناکامی پر افسوس کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ "اس فرقے کو تو بھیک کی عادت کھا گئی، بڑے اور سچے پیر انتقال کر گئے، ان کی جگہ پر گداگر بیٹھتے جا رہے ہیں۔ گداگروں کا کیا اخلاق ہو سکتا ہے۔ یہ کسی دن بڑوں کی قبریں بھی بیچ دیں گے۔ جس طرح افراد کی زندگی کی ایک مہلت ہوتی ہے اسی طرح جماعتوں اور ملتوں کی زندگی اور موت واقع ہوتی ہے، اس فرقے نے بھی اپنی مہلت حیات پوری کر لی، اب اس پر موت طاری ہو چکی ہے، اس سے زندگی اور زندگی کے اعمال کی توقع لاحاصل ہے۔ اذا جَاۤءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ۔

مولانا ابوالکلام اور شاہ سائیں

مولانا ابوالکلام آزاد سے شاہ سائیں کو خاص عقیدت تھی۔ مولانا نے جب "دارالارشاد" کے نام سے کلکتہ میں تعلیم کتاب و سنت اور تربیت اسلامی کا نظام قائم کیا تو شاہ سائیں نے بھی اپنے صاحبزادے پیر عبدالقادر شاہ مرحوم کو کلکتہ بھیجنے کا ارادہ کر لیا تھا اور مولانا آزاد کو اس سلسلے میں خط بھی لکھا دیا تھا، لیکن ٹھیک انھیں دنوں مولانا کو کلکتہ سے اخراج کا حکم ہوا، چونکہ پنجاب و یوپی کی حکومتیں اپنے اپنے صوبوں میں پہلے ہی ان کے داخلے کو ممنوع قرار دے چکی تھیں انھیں مجبوراً صوبہ بہار کے ایک چھوٹے سے قصبے رانچی میں مقیم ہونا پڑا، پھر وہیں حکومت نے انھیں نظر بند کر دیا۔ ان حالات میں دارالارشاد کا نظام تعلیم و تربیت ختم ہو گیا اور سید عبدالقادر شاہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کلکتہ نہ پہنچ سکے۔

جنوری ۱۹۲۰ء میں جب مولانا آزاد چار سال کی نظر بندی سے رہا ہوئے اور نظم جماعت کی تحریک شروع کی تو شاہ سائیں بھی اس سے متاثر ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ راشدی سلسلے کے پیروں میں نظم پیدا کرنے کی کوشش، جمعیت الراشدیہ کا قیام، الراشد کا اجراء اور سندھ میں پیری مریدی کے نظام کی اصلاح اور ان کے ذریعے ملی مقاصد کے حصول کی سعی، پیروں کو عوام سے قریب آنے اور آزادیٔ وطن کے لئے کام کرنے کی دعوت مولانا آزاد کی دعوت "نظم جماعت" کے سلسلے کی مساعی تھیں۔

تحریکِ ہجرت اور نظم جماعت

۱۹۲۰ء میں جب ہجرت کا مسئلہ سامنے آیا تو ضروری سمجھا گیا کہ ہندوستان سے ہجرت ایک نظم وضبط کے ماتحت ہو اور جس طرح کہ یہاں انتشار وافتراق کی زندگی مسلمان بسر کر رہے ہیں، ہجرت میں یہ صورت نہ ہو۔ تمام مسلمان منظم اور متحد ہو کر ہجرت کریں اور رنج وراحت میں ایک دوسرے کے شریک ومعاون ہوں۔ اس سلسلے کے بہت سے مسائل ایسے تھے جن کا فیصلہ کرنا عام افرادِ امت کے لئے ممکن نہ تھا بلکہ یہ جماعت کا فرض تھا کہ وہ ان اُمور کا لحاظ کرے اور ہجرت کے باب میں مسلمانوں کی رہنمائی کرے۔ چونکہ بیک وقت ہندوستان کے تمام مسلمان ہجرت نہیں کر سکتے تھے اس لئے نہ ہجرت کے وجوب کا سب پر اطلاق ہو سکتا تھا، نہ ہجرت کرنے والوں ہی کو بیک وقت اس کی اجازت دی جا سکتی تھی۔ مولانا آزاد نے انھیں مہمات امور کی طرف ان سطروں میں اشارہ کیا ہے:

> "واضح رہے کہ ہجرت کی جو صورت اس وقت ہندوستان میں درپیش ہے شرعًا اس کی صورت یہ نہیں ہے کہ فردًا فردًا ہر شخص بطورِ خود نکل کھڑا ہو بلکہ ہجرت کے تمام اعمال جماعت کے ساتھ انجام پانے چاہئیں۔ اس بات کا فیصلہ کرنا صاحبِ جماعت کا کام ہے کہ کس شخص کو فورًا ہجرت کرنا چاہیئے اور کس شخص کی استعداد ایسی ہے کہ اس کا قیام اندرونی خدمات کے لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطلوب و مفید ہے۔ نیز ہجرت کی جائے تو کس مقام پر اور کن حالات کے ساتھ کہ موجب ثمرات و برکات ہو۔ ہر شخص بطورِ خود ان امور کا فیصلہ نہیں کرسکتا"۔ لہ

اس لئے ضروری تھا کہ ایک نظام ہجرت قائم کردیا جائے۔ ایک صاحب علم و بصیرت اس کا امیر ہو اور ہجرت کی راہ میں قدم اٹھانے سے پہلے وہ تمام مسلمان جو ہجرت کرنا چاہتے ہیں بیعتِ ہجرت کریں۔ مولانا آزاد لکھتے ہیں:

"اعمالِ ہجرت کا جو نمونہ اسوۂ حسنہ نبوت نے ہمارے لئے چھوڑا ہے وہ یہ ہے کہ ہجرت سے مقدم ہجرت کی بیعت ہے۔ بغیر بیعت کے ہجرت نہیں کرنی چاہیئے۔ پس ضروری ہے کہ جو لوگ ہجرت کریں، پہلے ہجرت پر بیعت کریں"۔ ۵۲

اس سلسلے میں مرکزی شخصیت مولانا آزاد کی تھی۔ انھوں نے ہندوستان کے مختلف صوبوں میں مختلف حضرات کو بیعت ہجرت کا مجاز قرار دیا تھا۔ سندھ میں حضرت شاہ سائیں کی شخصیت ماذون و مجاز تھی۔ مولانا لکھتے ہیں۔

"جس طالبِ حق کو مجھ پر اعتماد ہو، اللہ کی راہ میں میرا ساتھ دے۔ بالفعل طریقِ عمل یہ ہے کہ جن مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ توفیق عمل دے وہ فوراً اپنے عزم سے مجھے مطلع کریں یا حسب ذیل اصحاب سے مل کر تفصیلی ہدایات حاصل کرلیں:-

مولانا عبدالقادر صاحب وکیل (قصور، ضلع لاہور) مولوی محی الدین احمد صاحب بی اے (قصور، ضلع لاہور) مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی (امرتسر) پیر سید تراب علی شاہ راشدی (لاڑکانہ۔ سندھ) مولوی عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی ایڈیٹر البیان (لکھنؤ)"۔ ۵۳

لہ و ۵۲ رسالہ "اعلان" ۱۹۲۰ء صفحہ ۷، ۵۳ رسالہ "اعلان" ۱۹۲۰ء صفحہ ۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحریکِ ہجرت اور سندھ

اس سلسلے میں سندھ برصغیر پاک وہند کا واحد صوبہ تھا جس نے ہجرت کے سلسلے میں ایک نظم کے تحت قدم اٹھایا اور سب سے زیادہ اسی صوبے سے مسلمانوں نے ہجرت کی۔ تحریکِ ہجرت کی کامیابی اور اس میں نظم وضبط کی خوبی کا سہرا حضرت شاہ سائیں کے سر تھا۔ انھوں نے سندھ میں باقاعدہ ہجرت کمیٹی کی تشکیل کی تھی۔ اس کے صدر وہ خود اور سیکریٹری رئیس المہاجرین جان محمد جونیجو تھے۔ جو شخص ہجرت کا ارادہ کرتا وہ اپنے ارادے سے ہجرت کمیٹی کو مطلع کرتا۔ ہجرت کمیٹی اس کی رہنمائی کرتی تھی اور اس کے حالات و استعداد کے مطابق اسے مشورہ دیا جاتا تھا۔ تحریکِ ہجرت میں رئیس المہاجرین شاہ سائیں کے دستِ راست تھے۔ مہاجرین کا جو قافلہ جولائی ۱۹۲۰ء میں لاڑکانہ سے روانہ ہوا تھا مولانا جان محمد کو اس کا رئیس مقرر کیا گیا تھا۔ رئیس المہاجرین انھیں اسی نسبت سے کہا جاتا ہے۔ شاہ سائیں اور ان کے دستِ راست پیر سید علی انور شاہ راشدی مہاجرین کی اسپیشل ٹرین کے ساتھ پشاور تک گئے اور انھیں الوداع کہا۔[۱۵]

ایک مکمل انسان

حضرت سید تراب علی شاہ راشدی علیہ الرحمۃ تعلقہ قنبر (ضلع لاڑکانہ) کے ایک موضع علی خان میں رہتے تھے۔ سندھ کے مشہور عالم دین مولانا غلام صدیق شہداد کوٹی کے نامور شاگرد تھے۔ سید علی محمد راشدی صاحب نے انھیں ایک "مکمل انسان" لکھا ہے۔ اُسوۂ رسول کا پیکر تھے اور اسم سامی حضرت رسالت مآب اور سیرت طیبہ نبوی کے عاشق تھے۔ وہ ایک جامع حیثیات بزرگ تھے۔

قرنِ اُولیٰ کا مُسلمان

لباس بہت معمولی پہنتے تھے۔ کھدر یا لٹھے کا کرتہ، شلوار

---

۱۵ رئیس المہاجرین مرحوم جان محمد جونیجو از ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، مہران، حیدرآباد ۱۹۵۵ء سوانح نمبر صفحہ ۲۸۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا تہبند استعمال کرتے تھے۔ دلائل الخیرات یا قرآن مجید ہمیشہ طویل یا مختصر سفر کے دوران میں ان کے گلے میں حمائل رہتا۔ ہاتھ میں ہمیشہ لاٹھی یا کلہاڑی رکھتے تھے۔ بلوچستانی وضع کی چپل پہنتے تھے۔ اپنے رہن سہن اور وضع ولباس میں سندھ بلوچ تہذیب و روایات کو پسند کرتے تھے۔ امراء کے مقابلے میں عوام سے مل جل کر رہتے تھے، وہ عوام ہی کو قوم کا اصل سرمایہ سمجھتے تھے۔

قرنِ اُولیٰ کا وہ مسلمان جو بیسویں صدی کے مسلمانوں کی تعلیم و ہدایت کے لئے دُنیا کی پستیوں میں اتر آیا تھا۔ ۱۹۳۸ء میں خالقِ حقیقی سے جا ملا۔ وہ عظیم روح جو پُورے ایک قرن تک مسلمانوں کی بے حسی اور بے عملی پر بے چین اور مضطرب ہو ہو کر انھیں ہدایتِ الٰہی کی طرف بُلاتی رہی آخر اپنے آبائی موضع علی خان (قنبر) میں آسودہ خاک ہوگئی۔

افادات و ملفوظاتِ مولانا عبیداللہ سندھی

مرتّبہ

محمد سرور

سابق استاذ جامعہ ملیہ دہلی

قیمت :- اٹھارہ روپے

ملنے کا پتہ

سندھ ساگر اکیڈمی چوک مینار انارکلی لاہور

© rasailojaraid.com